Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہ رہے تھے۔ وہ جھوٹ جو دوست اور دوست، بھائی اور بہن، میاں اور بیوی اور ماں اور بچے کے مابین پیدا ہو جاتا ہے اور دو انسانوں کو، دو ساتھ ساتھ رہتے سہتے، کھاتے پیتے اور سوتے جاگتے ہوئے انسانوں کو ایک دوسرے کے روبرو کھڑے ہو کر نفرت کرنے کے قابل بناتا ہے۔ ان کی ہر مہربانی، ہر نیک دلی اور ہر ہر وارفتگی اب مجھے اپنے اُوپر ان کا احسانِ عظیم دکھائی دیتا تھا، کہ جیسے میں ان کی سترہ سال کی جمع شدہ لطف و عنایات کی مقروض ہوں۔ اس خیال نے کہ دنیا میں کوئی میری پیدائش کا خواہش مند نہ تھا، کہ خدا نے اپنے عکس میں مجھے تخلیق کیا اور اس پہ شرمندہ ہوا، کہ میرا وجود ایک جرم تھا جو سڑک کے کنارے سرزد ہوا اور پکڑا گیا اور نشر ہوا لیکن کسی کے سر نہ چڑھا اور ساری دنیا کی ذمہ داری بن گیا، کہ جو بعد میں ترس کھا کر پناہ میں لے لیا گیا اور اس خاطر داری سے پالا گیا جس سے سیامی بلی یا فوکس ٹیریئر کتے کے بچے کو پالا جاتا ہے، کہ جسے بڑا ہونے پہ احساس دلایا گیا کہ یہ جو اس کے سر پہ سایہ اور ایک کنبے کی رفاقت اور نگرانی اور کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑا اور ماں باپ کی محبت اور دوسری اتنی ساری چیزیں اسے مہیّا کی گئی تھیں ان پہ اس کا کوئی پیدائشی حق نہیں تھا بلکہ یہ عنایات تھیں جو اس پہ کی گئی تھیں اور بدلے میں اس سے ہر ہر شئے کے لیے شکر گزاری کی توقع رکھی جاتی تھی — اس خیال نے میری ساری شخصیت کو مسخ کر دیا۔ میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہ کر سکی۔ اس میں میرا کوئی قصور نہ تھا۔ حد تو یہ ہے کہ اس میں کسی کا بھی قصور نہ تھا۔

"پھر میں یونیورسٹی میں آ گئی۔ اب تک وہ میری کل تعلیم پہ دس ہزار ڈالر خرچ کر چکے ہیں، ایک اور خیال جو ہر دم میرے پیچھے لگا رہتا ہے یہ ہے کہ ایک روز میں ان کی ایک ایک پائی واپس کر دوں گی۔ پھر میں آزاد ہو جاؤں گی۔ پچھلی گرمی کی چھٹیوں میں میں نے تین ماہ تک ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ویٹرس کا کام کیا تھا۔ کھانا کھانے کے لیے آتے ہوئے ٹرک ڈرائیوروں اور گندے گندے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فیکٹری ورکر میری کمر میں انگلیاں چبھویا کرتے تھے۔ آزادی کی خواہش اتنی طاقتور ہے — ایک بار میں نے خواب دیکھا تھا کہ جیسے میرے کندھوں پر پَر ہیں اور میں اُڑ رہی ہوں اور اُڑتی جا رہی ہوں اور پھر بادل آ گئے ہیں اور ان کے بیچ بیچ میں اُوپر اٹھ رہی ہوں اور نیچے اتر رہی ہوں اور ابھی غائب ہو جاتی ہوں، ابھی باہر نکل آتی ہوں۔ پھر بادلوں پر ایک جگہ رک کر میں نے دم لیا اور دوبارہ اُسی آسانی اور تیزی کے ساتھ اُڑنے لگی۔ اب نیچے سفید بادلوں کا فرش تھا اور اوپر نیلا آسمان تھا اور چاروں طرف بیکراں وسعت تھی اور سناٹا تھا اور امن تھا اور آزادی تھی اور میں کوشش کیے بغیر جس طرف چاہتی تھی مڑ جاتی تھی، کبھی تیز کبھی ہولے، کبھی اوپر کبھی نیچے، میری بے آواز، بے حرکت اڑان تھی اور آزادی اور وسعت ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔ میں فرطِ مسرت سے چلا اٹھی: 'یہ آسمان میرا ہے —'، پھر اُسی مسرت کے مارے میں رونے لگی اور میری آنکھ کھل گئی۔

آج اس بات کو کئی برس گزر چکے ہیں اور میں اس خواب کے لیے ترس گئی ہوں۔ ہر روز رات کو جب میں خواب آور دوائی کھاتی ہوں تو اس کے لیے دعا مانگتی ہوں۔ لیکن یہ خواب پھر کبھی نہیں دیکھا۔ گھر میں میری دو شخصیتیں ہو گئی تھیں، یہاں پہنچنے پر تین ہو گئیں، چار ہو گئیں، پتا نہیں کتنی ہو گئیں۔ ہر مرد سے مجھے خوف آنے لگا، اب تک آتا ہے۔ ہر مرد کو دیکھ کر مجھے خیال آتا ہے: 'یہ مرد — میرے قریب آ گیا تو مجھے تباہ کر دے گا —'، دنیا کے ہر مرد کی جانب سے میرے دل میں بدظنی پھیل گئی ہے۔ حالانکہ تمھیں سُن کر تعجب ہو گا کہ آج تک کسی مرد نے مجھے ذرا سا بھی دُکھ نہیں دیا۔ ہر مرد کی کشش سے بچنے کے لیے میں نے اپنے اوپر کتنے ہی خول چڑھا لیے ہیں۔ میں نے باتیں کرنے کا اور باتیں کرتے جانے کا فن سیکھا ہے۔ میں دنیا کے ہر موضوع پر نہایت دلچسپ اور معلومات افزا گفتگو کر سکتی ہوں، حالانکہ مجھے کسی ایک موضوع کے متعلق بھی کچھ پتا نہیں ہے۔ میں نے اپنے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دنیا کی عظیم کتابوں اور عظیم موسیقی اور انگلستان کی سیاسیات اور کیمپس کے سارے سکینڈلز کے متعلق ایک ہی سانس میں، ایک ہی موڈ میں، یا اپنی مرضی کے مطابق مختلف موڈوں میں بڑی کامیابی اور نفاست کے ساتھ باتیں کر سکتی ہوں۔ اور اس سارے دوران میں مجھے برابر یہ خیال رہتا ہے کہ یہ شخص، یہ خوبصورت اور پُرکشش اور ذہین مرد مجھ سے مرعوب ہو رہا ہے، میرے قبضے میں آ رہا ہے، میرے قبضے میں آ چکا ہے، مسحور ہو چکا ہے۔ اب یہ میرے بس میں ہے کہ اسے رکھوں یا چھوڑ دوں، اٹھا لوں یا گرا دوں یا اس کا دل توڑ دوں۔ اس سارے دوران میں مجھے برابر یہ خیال رہتا ہے کہ یہ شخص اعلیٰ ہے اور میں ادنیٰ ہوں، چنانچہ اُسے میرے نزدیک نہیں آنا چاہیے، اس کو میری حقیقت کا علم نہیں ہونا چاہیے، ورنہ یہ مجھے چھوڑ دے گا۔ اس سے پہلے میں اپنی پوزیشن مضبوط کر دوں گی، میں اپنی ساری مرکب شخصیتیں، اپنا سارا ذہن، اپنا سارا فن استعمال کر دوں گی، اسے مرعوب کر دوں گی، اسے چھوڑ دوں گی۔ پیشتر اس کے کہ یہ مجھے تباہ کر دے، میں اسے تباہ کر دوں گی — یہ میری زندگی ہے، میری زندگی ہے اور حد یہ ہے کہ میں اس ساری بات کو جانتی بھی ہوں۔ آج تک میری اپنے آپ سے، یا دنیا سے، مکمل صلح نہیں ہو سکی۔ میں نے بڑے خلوص سے کوشش بھی کی ہے۔

"میں یہ سب کچھ تمہیں اس لیے نہیں بتا رہی کہ تم کوئی پادری ہو اور میں اقبالِ جرم کے لیے آئی ہوں۔ میں پادریوں سے بھی مل چکی ہوں۔ پادری احمق ہوتے ہیں اور انہوں نے طوطے کی طرح اپنا سبق رٹا ہوا ہوتا ہے۔ وہ بھی میری طرح اپنی شخصیت پر خول چڑھا کر رکھتے ہیں، چنانچہ بے اثر ہوتے ہیں اور ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ میں تمہیں یہ سب کچھ اس لیے بتا رہی ہوں کہ تم سے شاید دوبارہ ملاقات نہ ہو اور میں نہیں چاہتی کہ تم میرے بارے میں اوٹ پٹانگ سوچتے رہو۔ ہم بڑے اچھے لوگ ہیں اور ہم نے بڑی مضبوط اور خوش حال سوسائٹی بنائی ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اس پہ نازاں ہیں۔ لیکن کچھ لوگ ہوتے ہیں جو سب کچھ جانتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتے، جو سب کچھ کرنا چاہتے ہیں مگر — آخری تجزیے میں یہ پتا چلتا ہے کہ ہم کسی کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

میں اس کی آواز، اُس کے الفاظ کے سحر سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے،" وہ پھر بولی، "کہ آج تک میرو کے علاوہ کسی مرد نے مجھے متاثر نہیں کیا۔ اور میرو نے خود ہی میرے قریب آنے سے احتراز کیا۔ اس نے مجھ پہ بڑا احسان کیا اور میں اس کی شکر گزار ہوں۔ لیکن سلطان — میں اس شخص سے ڈرتی ہوں جو ایک روز آئے گا، جسے میں نظر انداز نہ کر سکوں گی۔ پھر میں کیا کروں گی سلطان؟"

"بلانکا!" میں کھنکارا، "مجھے پتا نہیں تم کیا کرو گی۔"

"تمہیں پتا نہیں میں کیا کروں گی؟" اس نے سہم کر دوہرایا۔

میں نے دوبارہ گلا صاف کیا: "بلانکا میں نے ایک دفعہ تم سے کہا تھا کہ ہم لوگوں میں دوست لڑکیوں کو چومنے کا رواج نہیں ہے۔ لیکن —" میں رک گیا۔

اس نے گہری نظروں سے مجھے دیکھا اور بڑے دکھ بھرے پیار سے مسکرائی۔

"رواج کو توڑنا چاہتے ہو پاگل آدمی؟" پھر اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور چہرہ میری طرف اُٹھا دیا۔

جب ہم باہر نکل رہے تھے تو سٹیڈیم کے دروازے پر کھڑے ہوئے مزدوروں نے میری سرخی مائل سنہری داڑھی اور سیاہ سر اور گندمی رنگت کو، اور بلانکا کے سفید بالوں اور ہمارے گہرے اداس، خاموش چہروں کو اچنبھے اور تمسخر سے دیکھا۔ کیمپس کا راستہ ہم نے خاموشی سے طے کیا۔ گرجے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے صرف اتنا کہا:

"سلطان لوگ عبادت کرتے ہیں تاکہ خدا کو پا سکیں، میں خدا کی تلاش میں ہوں تاکہ محبت کر سکوں۔ اپنی اپنی جگہ ہم دونوں ٹھیک ہیں — مجھے چومو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم ٹھیک کہتی ہو محبوب لڑکی، میں نے کہنا چاہا، لیکن کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ صرف آہستہ سے شب بخیر کہہ کر چلا آیا۔

پھر آخری منظر آتا ہے۔ آخری منظر جو سب سے زیادہ قریب، سب سے زیادہ شوخ اور گہرا ہوتا ہے اور تیزی سے نکل جاتا ہے۔ یونیورسٹی ٹاؤن کا چھوٹا سا ریلوے سٹیشن اور تین محبوب چہرے ہیں اور میرا سامان رکھا جا چکا ہے اور لمبا سا سبز ٹکٹ میرے ہاتھ میں ہے۔

اور باٹرن کہتا ہے: "جب میں اپنا ذاتی آرکسٹرا لے کر عالمی دورے پر آؤں گا تو صرف تمہارے اور تمہارے گھر والوں کے لیے سپیشل پرفورمنس دوں گا۔ رائل کمانڈ پرفورمنس۔"

اور بلانکا کہتی ہے: "یاد رکھنا ایک نہ ایک روز میرا جہاز تمہارے ساحل پر آ لگے گا۔ میرا انتظار کرنا۔" اور جین محض خاموش کھڑی اپنے میٹھے تبسم کے ساتھ دیکھے جاتی ہے، جیسے کہہ رہی ہو: "ہم بڑے اچھے لوگ ہیں۔ ہمیں یاد رکھنا۔ خدا تمہارا بھلا کرے۔"

پھر ہاتھ ہلتے ہیں اور رومال ہلتے ہیں اور مسکراتے ہوئے چہرے اُداس ہو جاتے ہیں، پھر مسکراتے ہیں، پھر اُداس ہو جاتے ہیں، پھر ہجوم میں غائب ہو جاتے ہیں، پھر باہر نکل آتے ہیں، پھر دُور ہو جاتے ہیں، پھر کچھ پتا نہیں چلتا۔ گاڑی پہاڑ کا موڑ کاٹتی ہے اور سب کچھ پیچھے رہ جاتا ہے۔

چند ماہ تک بلانکا کے خط آتے رہتے ہیں، پھر بند ہو جاتے ہیں۔ باٹرن کا خط کبھی کبھار آ جاتا ہے۔ ایک خط سے پتا چلتا ہے کہ بلانکا ایک یوکرائنی لڑکے میں شدت سے دلچسپی لے رہی ہے۔ پھر اطلاع ملتی ہے کہ دونوں نے شادی کا اعلان کر دیا ہے اور بلانکا بڑی خوش ہے۔ مجھے عجیب سی بے چینی کا احساس ہوتا ہے۔ پھر کئی ماہ تک باٹرن کا خط نہیں آتا۔ پھر آج اس کا آخری خط موصول ہوتا ہے جسے جیب میں رکھ کر میں باہر نکل آتا ہوں اور خزاں کی سہ پہر کے پُرسکوت سحر کو محسوس کرتا ہوں اور سامنے والے کھیت میں دنیا کے سب سے دلگداز منظر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو دیکھتا ہوں اور ندی پر جھک کر اس سے مخاطب ہوتا ہوں۔

اب ندی کے پل پر شام پڑ رہی ہے اور بہت سارا وقت منظر منظر کر کے پانی میں بہتا ہوا گزر گیا ہے۔ اب کسان یہاں سے جا چکا ہے اور درختوں میں رکی ہوئی ہوا چلنے لگی ہے اور یاد کرتے ہوئے دل کا خوف اترتا جا رہا ہے۔ میں خط کو جیب سے نکالتا ہوں اور دن کے آخری اُجالے میں آنکھوں کے قریب لاتا ہوں۔

"شادی سے دو ہفتے قبل وہ 'نیاگرا' گئے۔ وہاں پہنچتے ہی انھوں نے مجھے اور جین کو پکچر کارڈ بھیجے۔ شام کو جان بچانے والوں کے دستے نے دو گھنٹے کی تلاش کے بعد دریا میں سے اُس کی لاش برآمد کی۔ پولیس کی رپورٹ کے مطابق وہ ریلنگ پر بیٹھی تصویریں لے رہی تھی کہ پھسل کر آبشار میں جا گری۔ موت حادثاتی طور پر عمل میں آئی۔ میں نے اور جین نے بہر حال ہنی مون کے لیے 'نیاگرا' جانے کا خیال ترک کر دیا ہے۔ خدا حافظ۔ تمہارا ـــــ ڈیوڈ ـــــ الیف بائرن۔"

میں ایک ایک سطر کو پڑھتا ہوں اور ایک ایک لفظ کو پڑھتا ہوں حتیٰ کہ اندھیرا میری نظر کے راستے کو روک دیتا ہے اور خوف کا سایہ میرے دل پر سے اُتر جاتا ہے۔ ایک یاد مکمل ہوئی، ایک یاد ساتھ چھوڑ گئی۔ اب میں آزاد ہوں اور مستقبل کی طرف سفر کرتا ہوں۔ مستقبل جو فراموشیوں کی آماجگاہ ہے، جہاں وہ سب، جو دنیا میں خالص ہے اور خوبصورت ہے اور نازک ہے اور نوجوان ہے اور دلیر ہے، خام اور بھدا بن جاتا ہے، ٹوٹ کر گر پڑتا ہے، پیچھے رہ جاتا ہے، بھلا دیا جاتا ہے، اور گو اس کرۂ ارض پر ساری انسانی آبادی کی پیدائش محض حادثاتی نوعیت کی ہے لیکن کچھ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی پیدائش کے حادثے کو نہیں بھلا سکتے، جو اپنے خلوص اور ذہانت اور اپنے حُسن اور اپنی دیانتداری کو یکجا رکھنے کی خاطر بہادری سے کھڑے رہتے ہیں اور کھڑے رہتے ہیں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بالآخر اپنی اعلیٰ تر یاد کی سفاکی کے مقابل ناپائدار ثابت ہوتے ہیں اور گر پڑتے ہیں۔ یہ لوگ زمانے کا ضمیر ہیں جو اپنے زور سے ٹوٹ جاتے ہیں اور انسانی حافظوں سے محو کر دیے جاتے ہیں۔ یہ وقت کا ظلم ہے جس پر ہم قادر نہیں ہیں، جس کی برابری صرف ہماری ادنیٰ یاد کی رحم دلی کرتی ہے۔

میں پُل پر جھک کر کھڑکھڑاتا ہوا کاغذ آہستہ سے ندی میں گرا دیتا ہوں۔ پانی کی سطح پر اندھیرا اُتر آتا ہے۔ اس میں ہم سب برابر کے شریک ہیں۔ تم اکیلی ہی نہیں ہو — بلانکا!

+++

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمندر

(افسانہ)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہاز کا نام کیلیڈونیا تھا۔ کیلیڈونیا پر وہ میری پہلی دوست تھی۔

"ایک دو تین ـــ چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، آٹھ، آٹھ ـــ پندرہ سولہ سترہ ـــ" میرے قریب ریلنگ پر جھکی وہ سمندری بگلوں کو گن رہی تھی۔

ہم اطلانتک کو پار کر رہے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے جب سورج ڈوب رہا تھا تو اسی ڈیک پر جہاز کے نقارچیوں نے کوچ کا نغمہ بجایا تھا۔ جس میں شامل الوداعی دھنوں کے ساتھ ساتھ روانگیِ سفر کا ولولہ بھی تھا جس نے ہم سب کو بیک وقت غمزدہ اور خوش و خرم بنا دیا تھا۔ اب شام پڑ رہی تھی اور ہم ساحلی پانیوں میں چکر کاٹ رہے تھے۔ کنارے کی روشنیاں سمندر میں جھلملا رہی تھیں جو تاریک تر ہوتا جا رہا تھا۔ آہستہ رَو جنوبی ہوا چل رہی تھی۔

سمندر! میں نے خوش ہو کر سوچا۔ سمندر!!

"ایک دو تین تین تین ـــ" زرد اُونی ٹوپی والی لڑکی پھر شروع سے گننے لگی۔

سمندری بگلوں کی ٹولی نے ساحل سے ہی ہمارا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ وہ تعداد میں بیس پچیس کے لگ بھگ ہوں گے گو ایک ایک کر کے گنے نہ جا سکتے تھے کہ ہماری طرح وہ بھی جہاز کے شاندار کوچ سے اور کوچ کے نغمے سے مسحور و متاثر معلوم ہوتے تھے اور مسرور شرابیوں کی طرح لڑکھڑاتے ہوئے پھڑپھڑاتے ہوئے اور تیزی سے ایک دوسرے کے راستوں کو کاٹتے ہوئے اُڑ رہے تھے، گر رہے تھے اور ننھی ننھی کاغذی کشتیوں کی مانند لہروں پر ڈول رہے تھے۔ لحظہ بہ لحظہ تیز تر ہوتی ہوئی ہوا میں سمندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوئے ہوئے دیو کی مانند تھا جس کی تاریک چھاتی یک حجم اٹھ رہی تھی، بیٹھ رہی تھی اور پھنکارتی ہوئی سانسیں کانوں میں شور مچا رہی تھیں۔ جہاز آہستہ آہستہ ڈولنے لگا تھا۔

سمندر! میں نے ذرا سہم کر سوچا۔

"اٹھارہ ــــ" وہ چلا کر بولی۔

"ایں؟"

"میں نے گنے ہیں۔"

"اچھا؟" میں جواب میں چلایا، "مبارک ہو۔"

وہ اپنے زردی مایل سنہری بالوں کی لٹ کو ٹوپی میں اُڑس کر میرے قریب کھسک آئی۔ "تم نے بھی گنے ہیں؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"پتا نہیں۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اُس کے دانت صاف، شفاف اور ہموار تھے۔

"تم تو اتنی دیر سے دیکھ رہے ہو۔"

"میں ساحل کو دیکھ رہا تھا۔"

"ساحل کہاں ہے؟" وہ ریلنگ کے درمیانی ڈنڈے پہ پاؤں رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ "ساحل کہاں ہے؟"

"اب چھُپ گیا ہے۔"

"کہاں؟"

"سمندر کے پیچھے۔"

"سمندر کے پیچھے؟" اُس نے دہرایا۔ وہ ریلنگ سے چمٹی ایک ہاتھ سے بالوں کی اُس لٹ سے لڑے جا رہی تھی جو ہوا کے زور سے مستقل اُس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی آنکھوں پر جھول رہی تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر لٹ کو مضبوطی سے ٹوپی کے نیچے جما دیا۔

"میرا نام فیروز ہے۔" میں نے کہا، "احمد فیروز۔"

"میرا نام اینڈ ہے۔" وہ بولی۔

"ایں؟"

"ای نِڈ۔"

"ای نِڈ کیا؟"

"سی گل ــــ"

"سی گل؟"

"ہاں ہاں۔ ای نِڈ سی گل۔ ای نِڈ سی گل ــــ" اس نے چڑ کر کہا۔

"ہاہاہا۔ سی گل ــــ" اب ہنسنے کی میری باری تھی۔ "یعنی سمندری بگلا؟"

"میں نے گنے ہیں۔ اٹھارہ ہیں۔"

"نہیں انیس ہیں۔" میں نے کہا۔

"تم نے گنے ہیں؟"

"ہاں۔"

"تم کہہ رہے تھے کہ تم نے نہیں گنے۔"

"اب گن لیے ہیں۔ اٹھارہ وہ ہیں اور ایک ــــ" میں نے اس کی ناک کو چھوا، "یہ ہے۔"

یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ اس کا شاید اسے کبھی خیال نہ آیا ہوگا کہ اس کے نام کے معنی سمندری بگلا ہیں۔ کچھ دیر تک اسی اُلجھن میں میری طرف دیکھتے رہنے کے بعد اس نے دھیان ہٹا لیا اور دوبارہ آبی پرندوں کو گننے لگی۔

"ایک دو تین چار چار پانچ ــــ"

تھوڑی دیر بعد جب ہوا کی تیزی کی وجہ سے سمندر کا تاریک دیو گہرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خواب کی حالت میں پھنکارنے اور کروٹیں بدلنے لگا اور کان پڑی آواز سنائی نہ دینے لگی اور بال اُڑا اُڑا کر ہم دونوں کی آنکھوں پر پڑنے لگے اور ٹوٹتی ہوئی لہروں کی بوچھاڑ ڈیک تک پہنچنے لگی اور جہاز کی رولنگ بڑھ گئی تو بیشتر اس کے کہ میں اسے احتیاطاً اپنے ساتھ لگاتا یا تھام کر رکھتا وہ ریلنگ پر سے چھلانگ لگا کر اپنی موٹی موٹی گوری گوری ٹانگیں جھلاتی ہوئی بھاگ گئی۔

جب ہم اپنے اپنے پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات لے کر پرسر کے دفتر کے آگے قطار باندھے کھڑے تھے تو ہمارے پاؤں کے نیچے مسلسل زلزلے کی کیفیت تھی۔ وہاں سے ہمیں جہاز کے قواعد و ضوابط کی ایک ایک چھپی ہوئی کاپی ملی جس میں علاوہ اور باتوں کے یہ بھی درج تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد ڈائننگ ہال اور دوسرے تمام "پبلک رومز" میں جانے کے لیے شام کے لباس کا پہننا ضروری امر ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

جہاز کی نچلی منزل میں ڈائننگ ہال، جس میں تین سو سے زائد آدمی ایک وقت میں بیٹھ کر کھانا کھا سکتے تھے، خوب کھلا اور روشن اور پُرشور تھا۔ میزوں پر جہاز کی اولیں دوستیاں لگائی جا رہی تھیں۔ میرا ساتھ ایک نوجوان اور خوش شکل ہنگیرین جوڑے سے ہوا۔ اس میز پہ ہم تین ہی آدمی تھے، چنانچہ انہوں نے فوراً مجھے اکیلا جان کر اپنی تحویل میں لے لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم سُوپ کو کپڑوں پہ گرنے سے بچانے کی کوششوں میں مصروف ہنسنے اور باتیں کرنے لگے۔

"ارے ابھی کیا ہے۔" ہنگیرین خاوند نے اطلاع دی، "پتا نو بچہ جی اطلانتک کے بیچ میں جا کر چلے گا جب سُوپ اُڑ اُڑ کر چھت کو پہنچتا ہے اور اسے پینا منظور ہو تو منہ کھول کر اس کے پیچھے پیچھے بھاگنا پڑتا ہے۔"

"تم نے کون سی لڑکی پھانسی ہے" ہنگیرین بیوی نے پوچھا۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پریشان ہو کر اسے دیکھا۔

"کل صبح سے پہلے پہلے ساری لڑکیاں لگ جائیں گی۔" اس نے بتایا۔

"خیریت چاہتے ہو تو آج ہی کسی نہ کسی کو پھانس لو ورنہ ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔"

میں نے ہال میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ آخر ایک کونے کی میز پر مجھے وہ کھانا کھاتی ہوئی نظر آگئی۔ اس وقت وہ سر سے ننگی تھی اور اس کے زرد سنہرے بال اسی رنگ کے ربن سے بندھے ہوئے شانوں پر پڑ رہے تھے۔

"وہ ــــ" میں نے کہا۔

"وہ کیا ــــ" ہنگیرین بیوی نے پوچھا۔

"وہ زرد لباس والی لڑکی ــــ وہ زرد ربن والی، آج شام کو میں نے اس سے دوستی لگائی ہے۔"

"وہ؟"

"ہاں وہ۔" میں نے متانت سے کھانا جاری رکھا۔

ہنگیرین خاوند منہ کھول کر ہنسا۔ پھر بیوی منہ کھول کر ہنسی۔ میں بھی اخلاقاً منہ کھول کر ہنسا۔ پھر وہ دونوں تن دہی سے کھانے پر پل پڑے۔ دل میں یہ اندازہ کر کے کہ میرے کھانے کے ساتھی کم پڑھے لکھے اور مغربی دنیا کے مشہور و معروف خوش حال نچلے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے مجھے کافی مایوسی ہوئی۔ یہ طبقہ میرے اطلانتک پار کے دورانِ قیام میں میری ذہنی اور روحانی شخصیت کے اعصاب پر سوار رہا تھا اور میں نے اس کے ہاتھوں بڑے دکھ اٹھائے تھے۔ جب سے میں جہاز پر سوار ہوا تھا چوری چوری، دل ہی دل میں شاید کسی کم گو، ذہین اور مہذب انگریز کی ہمسایگی کی خواہش کو پالتا رہا تھا۔ چوری ہی چوری، یہ خواہش اب حسرت بن چکی تھی۔

"ہم بوڈاپسٹ میں تھے جب (۵۶ء کی) بغاوت شروع ہوئی ــــ" کھانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بعد کافی پیتے ہوئے ہنگیرین خاوند نے پہلی بار اپنے زبردستی کے مزاحیہ لہجے کو ترک کر کے یکساں، غیر جذباتی آواز میں بتانا شروع کیا، "ہم اس وقت اپنی منگنی کا اعلان کر چکے تھے اور ساتھ ساتھ کی فیکٹریوں میں کام کر رہے تھے۔ بوڈاپسٹ کی گلیوں میں، جہاں ہم رہتے تھے، ہم نے کچے مورچے کھڑے کیے اور پانچ روز تک ان کے عقب سے لڑتے رہے۔ جب روسی ٹینک شہر میں داخل ہوئے تو ہم انڈر گراؤنڈ چلے گئے۔ اس رات — جب ہم شہر سے فرار ہوئے ہیں — ہمیں برف کے طوفان نے آگھیرا۔ خدایا۔ تمہارے ملک میں برف کے طوفان آتے ہیں؟"

"نہیں۔"

"پھر تم اندازہ نہیں کر سکتے۔ لیکن بہر حال، برف کے طوفان میں ہم نے رات بھر میں چالیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا، برقی رو والا کانٹے دار تار کاٹا اور آسٹریا کی حد میں داخل ہوئے۔ آخری دس کلومیٹر میں نے اپنی بیوی کو کندھوں پر اٹھا کر طے کیے۔ اس کے پاؤں سوج گئے تھے۔ جب ہم نے سرحد پار کی تو میرے پاؤں بھی ناکارہ ہو چکے تھے۔ وی آنا پہنچ کر ہم نے شادی کر لی۔ میرے پاؤں سوج گئے تھے، تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے — برف کا طوفان!"

"میرے ملک میں بڑی سخت گرمی ہوتی ہے مگر —"

"خوش قسمت آدمی ہو —" اُس نے کافی ختم کرتے ہوئے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

اس وقت وہ مجھے اپنی طرف آتی ہوئی نظر پڑی۔ وہ اپنی ماں کی انگلی پکڑے ڈائننگ ہال سے باہر جا رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"ہلو ای نڈ۔" میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ہلو —"

"تم نے کھانا اچھی طرح سے کھا لیا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کھا لیا۔" اُس نے کہا، "ممی ہم سمندری بگلوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کا نام مجھ کو بھول گیا ہے۔"

"فیروز۔" میں نے کہا۔

"فے روز۔ ممی ان کا نام فے روز ہے۔"

اُس کی ماں، جو ایک شائستہ اور پروقار جوان عورت تھی، آہستہ سے مسکرائی۔ پھر جرمن لہجے میں بولی:

"آج شام اس نے مجھے خاصا پریشان کیا۔ میں سارے میں اسے ڈھونڈتی پھری۔"

"جہاز پر یہ میری پہلی دوست بنی ہے۔"

"ممی ممی — میں فے روز سے دوستی کر سکتی ہوں؟"

"مسٹر فیروز —" اس کی ماں نے تنبیہاً کہا۔

"میں مسٹر فیروز کے ساتھ دوستی کر سکتی ہوں؟"

"کر سکتی ہو۔"

"مسٹر فے روز میں تم سے دوستی کر سکتی ہوں۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے۔" میں نے کہا، "بہت بہت شکریہ۔"

"ممی ممی — میں مسٹر فے روز کے ساتھ ڈیک پہ جا سکتی ہوں؟"

"نہیں ای زڈ — اب ہم سونے کے لیے جا رہے ہیں۔"

"گڈ نائٹ مسٹر فے روز —" ہال سے باہر آ کر اس نے کہا۔

"گڈ نائٹ ای زڈ۔ گڈ نائٹ میڈم سی گل۔"

"گڈ نائٹ۔" اُس کی ماں نے اخلاق سے جواب دیا اور اپنے کیبن کی طرف چلی گئی۔

ڈیک پر نئے نئے جوڑے پھر رہے تھے۔ جہاز ایک یونانی کمپنی کی ملکیت تھا مگر سٹاف تمام تر جرمن تھا اور مسافروں میں بھی زیادہ تر وہ جرمن لوگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے جو امریکہ اور کینیڈا میں آکر بس گئے تھے اور کرسمس منانے کے لیے واپس یورپ کو جا رہے تھے۔ یہ لوگ ابھی ابھی کھانے کی میزوں پر اور بار پر ایک دوسرے سے ملے تھے اور اب دو دو چار چار کی ٹولیوں میں ڈیک پر گھوم رہے تھے اور سگریٹ پی رہے تھے — زرد بالوں والے جرمن مرد جن کے چہرے، جب وہ پینتیس سے تجاوز کرتے ہیں تو، ایک خاص طرح پر پھول جاتے ہیں، اور بلونڈ جرمن لڑکیاں جن کی جلد قریب سے دیکھنے پر ایسی صاف نہیں نکلتی جیسی دور سے دکھائی دیتی ہے۔ میں ریلنگ کے ساتھ ساتھ دیر تک اکیلا اکیلا پھرتا رہا، کیونکہ ای نِڈ جو کہ میری واحد دوست تھی وہاں پر نہیں تھی اور ہنگیرین جوڑا ہجوم میں کہیں گم ہو چکا تھا۔ ڈیک کے آخری سرے پر رک کر میں نے دور تک سامنے اندھیرے میں دیکھا۔ اندھیرے سے پرے اور اندھیرا تھا اور اس سے پرے اور! — اندھیرا عمیق اور بیکراں تھا اور اس کے اسرار میں گم سمندر کا لافانی دیو کروٹیں بدل رہا تھا اور جاگنے کے لیے بے کل تھا۔

اور جاگ رہا تھا۔

"تم نے عمر بھر مجھے دور دور سے چاہا ہے۔" پھر اس نے مجھے دیکھا اور یوں گویا ہوا، "اور اب مجھ تک پہنچ سکے ہو۔ اب میں تم سے مخاطب ہوتا ہوں۔ اس مختصر سے دورِ وصال میں میں تمہیں چند باتیں بتاؤں گا جو تمہیں اور کوئی نہیں بتائے گا۔ غور سے سنو اور پیچھے مڑ کر مت دیکھو، کہ جو پیچھے رہ گیا ہے وہ بھی میرے ہی بدن کا حصّہ ہے اور وہ جو دوسرے کے بدن کا حصّہ ہے تم اس تک نہیں پہنچ سکتے کہ اس وقت جہاں پر تم موجود ہو وہاں وقت تھم گیا ہے اور ایک ایک پل پر سے تمہارا اختیار اُٹھ گیا ہے کہ یہاں پر میں حکومت کرتا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ میں لافانی ہوں اور طاقت ور ہوں اور غصیل ہوں — اس لیے کہ جب پل پل پر تمہارا اختیار تھا تو تم نے ہاتھ بڑھا کر کسی تک پہنچا ہی نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہا اور آخر بے اختیار ہو کر بیٹھ گئے اور اب پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ سکتے کہ جو پیچھے مڑ کر دیکھ سکتے ہیں ان کا اختیار پل پل پر سے نہیں اٹھا اس لیے کہ انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور پہنچ گئے اور ایک بدن میں دوسرے بدن کو شامل کر لیا اور شامل ہو گئے اور اب آگے پیچھے کے خود حاکم ہیں اور یکساں، غیر جذباتی آواز میں اس کا ذکر کرتے ہیں اس لیے کہ — غور سے سنو کہیں بھول نہ جاؤ، میرے محب — اس لیے کہ دنیا میں ساری چیزوں کے ہونے کا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ محبت میں اور دکھ میں اور دلیری میں اور قربانی میں اور ان ساری باتوں میں جو زندگی میں کوئی اہمیت رکھتی ہیں کہیں بھی اور کبھی بھی تعلیم اور طبقے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ اب یہاں پر میں حکومت کرتا ہوں۔ شب بخیر —"

ہوا کے زور سے ایک تاریک لہر ڈیک کے قریب آ کر ٹوٹی اور مجھے گھٹنوں تک بھگو گئی۔

سمندر رات بھر جاگ جاگ کر صبح کے وقت مزے سے پڑا سوتا تھا اوپر کے ڈیک پر دھوپ پھیل چکی تھی اور پانی کی سطح گہری نیلی اور چمک دار تھی اور اس پر ننھی ننھی ہموار لہروں کا جال بچھا تھا۔ کینیڈا کا ساحل حدِ نظر پر ایک مدھم سی سیاہ لکیر میں سمٹ کر رہ گیا تھا۔ موسم مکمل طور پر پرسکون تھا اور ناشتے سے فارغ ہو کر مسافر ایک ایک دو دو کر کے اوپر آ رہے تھے اور دھوپ میں سستا رہے تھے اور ہلکی پھلکی مقوی غذا کو ہضم کر رہے تھے اور تمباکو پی رہے تھے اور جہاز ایک بہت بڑے راج ہنس کی سی گریس کے ساتھ بے ڈول چلا جا رہا تھا۔ اب ہم کھلے سمندر میں تھے۔ "ہم تمہارے بدن کے کس حصے پر ہیں؟" میں نے اُسے باتوں میں لگانا چاہا۔ وہ پڑا سستاتا رہا۔ اس کو اس طرح مغلوب دیکھ کر مجھے عجیب سا احساسِ برتری ہوا اور مکمل اطمینان کے ساتھ ریلنگ سے ٹیک لگا کر میں پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ممی ممی میں نے روز کے ساتھ کھڑی ہو سکتی ہوں؟" عقب سے آواز آئی۔

"دمسٹر —" اس کی ماں نے سختی سے کہا۔

"ممی میں مسٹر نے روز کے ساتھ وہاں کھڑی ہو سکتی ہوں؟"

میں نے مڑ کر اس کی ماں کو سلام کیا۔ وہ بڑے اخلاق اور بڑے وقار اور بڑی علیحدگی سے مسکرائی اور جا کر پاس کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ای نِڈ بھاگ کر ریلنگ پر جا چڑھی۔

"صبح بخیر ای نِڈ۔ تم اچھی طرح سے سوئیں؟" میں نے کہا۔

"ایک دو تین — وہ دیکھو — چار پانچ چھ — سات۔"

"ارے رے رے — رکو رکو —" میں نے اس کے پھیلے ہوئے بازو سمیٹے اور اُسے ریلنگ سے اتار کر کھڑا کر دیا۔

"اگر گر جائیں تو؟"

"آج زیادہ ہو گئے ہیں۔"

"میں پوچھتا ہوں اگر گر جائیں تو — !"

"آج بیس ہو گئے ہیں۔"

"اگر گر جائیں تو تم بھی لِکلا بن جائیں۔"

"میں نے گن لیے ہیں۔ کل اٹھارہ تھے آج بیس ہو گئے ہیں۔"

"یہاں بیٹھو —" میں نے ایک ڈیک کی کرسی کھینچ کر اسے بٹھا دیا۔

"دو کہاں سے آتے ہیں۔ مسٹر نے روز دو کہاں سے آتے ہیں؟"

"اب تم میری نگرانی میں ہو —" میں نے کہا۔ "ریلنگ پر نہیں چڑھ سکتیں۔ پتا نہیں دو کہاں سے آتے ہیں۔"

"تم کو پتا نہیں دو کہاں سے آتے ہیں؟" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "مسٹر نے روز دو کہاں سے آتے ہیں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمہیں بڑا حساب آتا ہے!" میں نے کہا۔

"وہ کہاں سے آئے ہیں؟"

"ذرا دم لو، مجھے سوچنے دو۔ اررر — دو — ہاں۔ دو نے بچے دیے ہیں۔"

وہ بیحد محظوظ ہو کر ہنسی۔ "بگلے انڈے دیتے ہیں۔ مسٹر فے روز بگلے تو مدے دیتے ہیں۔"

"تمہیں کیسے پتا؟"

"مجھ کو پتا ہے۔"

"اس لیے کہ تم بھی بگلا ہو؟"

"نہیں میں تو ای نڈ ہوں۔"

"تم ای نڈ سی گل ہو۔"

"سی گل تو نام ہے۔"

"تم سی گل ہو اور یہ سارے بگلے تمہارے عزیز و اقارب ہیں۔ میں جانتا ہوں۔"

"نہیں۔" وہ چیخی — "ممی ممی، مسٹر فے روز کو بتاؤ۔"

اس کی ماں ٹٹنگ پر سے نظر اٹھا کر مسکرائی۔ "تم خود بتاؤ۔"

"مسٹر فے روز یہ سی گل ایس ای ای جی ای ایل ایل ہے۔ یہ میرا نام ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر دور کے رشتہ دار ہوں گے۔"

"کون؟"

"بگلے۔"

"ہمارے رشتہ دار جرمنی میں ہیں۔"

"جرمنی میں بگلے ہوتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"وہاں مائیکل بھی ہے۔ وہ کرسمس پر سات برس کا ہو جائے گا۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے۔ یہ مائیکل کون ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"گیارہ بجے ہمیں آئس کریم ملے گی۔ مسٹر فے رونم تم گیارہ بجے آئس کریم کھاؤ گے؟"

"میں آئس کریم نہیں کھاتا۔"

"مجھ کو اینا نے بتایا تھا۔"

"اینا کون ہے؟"

"میری دوست ہے۔"

"وہ بھی آئس کریم کھاتی ہے؟"

"وہ جہاز پر رہتی ہے۔ مسٹر فے رونم تم میرے ساتھ پنگ پونگ کھیلو گے؟"

"ارے تم سے کیا کھیلوں گا۔" میں نے اُکتا کر کہا۔

"میں مارچ میں چھ برس کی ہو جاؤں گی۔"

"میرا بھی یہی اندازہ ہے۔"

"اب میں پانچ سال نو ماہ کی ہوں۔"

"تم بڑی باتیں کرتی ہو۔"

"ایک دو تین چار — پانچ چھ —"

"چلو ٹہلیں —" میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیے ریلنگ کے ساتھ ساتھ ٹہلتے ہوئے ڈیک کے آخری سرے تک پہنچ گئے۔

"ای نڈ —" میں نے کہا، "میرا خیال ہے تم بڑی اچھی بچی ہو۔"

"بگلے کہاں گئے؟"

"ای نڈ یہاں بیٹھ جاؤ۔"

"بگلے یہاں سے نظر نہیں آتے۔"

"یہ دیکھو کیسا اچھا اسٹول ہے۔"